قرونِ اُولی کی نامور خواتین اور صحابیات کے ایمان افروز واقعات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قرونِ اولیٰ کی نامور خواتین اور صحابیات کے ایمان افروز واقعات

(فرمودہ ۳۱؍جولائی ۱۹۵۰ء بمقام کوئٹہ)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں پیدا کیا تو اسے مرد و عورت دو حصوں میں پیدا کیا جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا [1] یعنی اے لوگو! اُس خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا پھر اس جان کی قسم سے اس کا ساتھی پیدا کیا۔ وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ اور پھر ان دونوں سے آگے اُس نے بہت سے مرد اور عورت پیدا کئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ اور تم اُس خدا کا تقویٰ اختیار کرو کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم دوسرے ساتھیوں سے کہتے ہو خدا کیلئے میری مدد کرو۔ وہ خدا جس کا نام لے کر تم اپنے دوستوں، ہمسایوں اور اہل دنیا سے مدد مانگا کرتے ہو آخر اس کا بھی کچھ حق ہونا چاہئے۔ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ پھر اُن رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کا بھی جن کا نام لے کر تم مدد مانگا کرتے ہو خوف کیا کرو۔ مثلاً اگر کسی بچے کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے ہائے اماں! ہائے ابا! یا کسی نوجوان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھائیوں اور دوسرے

دوستوں کا واسطہ دے کر مدد حاصل کرتا ہے لیکن ان کا تم خیال نہیں کرتے ۔ اِن کی خاطر تم قربانی کرنے سے بھاگتے ہو اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تم پر نگران ہے۔

اس کے مقابل پر بائبل میں جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب ہے۔ انسان کی پیدائش کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ایک باغ میں رکھا۔ اِس کے بعد خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ حضرت آدم اکیلے ہیں ان کا کوئی ساتھی بھی ہونا چاہئے ۔تب حضرت آدم جب سورہے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک پسلی کاٹی اور ایک عورت بنائی اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ یہ عورت تمہارے ساتھ رہے گی اور چونکہ وہ عورت نر سے پیدا ہوئی تھی اِس لئے وہ ناری کہلائی ۔[۲]

بہر حال ابتدائے زمانہ سے عورت اور مرد کی آپس میں مشارکت پائی جاتی ہے اور اِن دونوں پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور مذہبی کتب ہمیشہ سے ان پر بحث کرتی آئی ہیں۔ بائبل میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ عورت اس لئے پیدا کی گئی ہے تا مرد جنت میں اُداس نہ ہو لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں اس لئے پیدا کئے گئے تا ان کے ذریعہ جنت بسے اور خدا تعالیٰ کا قانون دنیا میں جاری ہو۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ان دونوں مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ عورت کو اِس لئے پیدا کیا گیا تا وہ مرد کو خوش رکھے لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ مرد اور عورت کی پیدائش کی مشترکہ غرض یہ ہے کہ تا دنیا آباد ہو اور دونوں مل کر خدا تعالیٰ کی حکومت قائم کریں۔ دونوں کے ذمہ انصاف، عدل اور حسنِ سلوک کی دنیا بسانی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو قرآن کریم نے مقصد پیش کیا ہے وہ بہت عالی شان ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اِس مقصد کو پورا کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے انسان کے ذمہ کیا کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور کونسے ایسے ذرائع ہیں جن پر چل کر مرد و عورت دونوں اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد رکھی مگر اس بنیاد میں عورت کا حصہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے اور ضمناً قرآن کریم میں بھی اِس کا ذکر آتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک رؤیا دکھایا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام آپ سے ۱۲ سال بعد پیدا ہوئے اور اس ۱۲ سال کے عرصہ تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سات آٹھ سال کے تھے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی رؤیا سنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اُس وقت انسان کی قربانی کی جاتی تھی، لوگ بتوں کو خوش کرنے کیلئے انسان کو اور خصوصاً اپنے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ لوگوں میں انسانی قربانی کا رواج ہے تو آپ سمجھے کہ اِس رؤیا سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کروں۔ آپ نے اِس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذکر کیا اور جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا آپ نے جو دیکھا ہے اُس کو پورا کیجئے میں صبر کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو جنگل میں لے گئے تا اُن کی والدہ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُلٹا لٹا دیا تا اُن کی تکلیف کو دیکھ کر دہشت پیدا نہ ہو۔ جب آپ ذبح کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کیا کہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا [۳] جب تو اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گیا ہے تو تو اپنی رؤیا کو پورا کر چکا یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر عملاً تجھے اپنا اکلوتا بیٹا ذبح کرنا پڑے تو تو اُسے ذبح کر سکتا ہے مگر اب اِس کی ضرورت نہیں کیونکہ آئندہ سچے دین میں انسان کے ذبح کرنے کا طریق جاری نہیں رہے گا۔ یہ طریق چونکہ درست نہیں تھا اس لئے آج سے اِسے مٹایا جاتا ہے۔

لیکن درحقیقت یہ رؤیا جو دکھائی گئی تھی اِس میں یہ پیشگوئی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ایک ایسی جگہ چھوڑ آئیں گے جس کو مقام محمدی کے لئے چنا گیا ہے چنانچہ آپ کو کچھ دیر کے بعد دوبارہ الہام ہوا کہ حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے مقام پر لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے مقام پر لے گئے۔ مکہ کے اردگرد کئی میل

تک کوئی آبادی نہیں تھی۔آپ نے ایک مشکیزہ پانی اور کھجوروں کی ایک تھیلی اُن کے پاس رکھ دی اور واپس چل پڑے۔ رؤیا میں درحقیقت یہی دکھایا گیا تھا کہ اِس سے مراد چھری سے ذبح کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر اسے ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں کھانے کو نہ روٹی ملے اور نہ پینے کو پانی گویا اپنی طرف سے تم اُسے ذبح کر آؤ گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مکہ کے مقام پر پہنچے تو ایک مشکیزہ پانی اور کھجوروں کی ایک تھیلی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے پاس رکھ کر چپکے سے کھسکے تا کہ بیوی ملامت نہ کرے۔آپ جب واپس جارہے تھے تو اُس محبت کی وجہ سے جو قدرتی طور پر خاوند کو بیوی سے ہوتی ہے آپ بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ جب آپ نے بار بار پیچھے دیکھا تو حضرت ہاجرہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ کسی معمولی کام کے لئے نہیں جارہے بلکہ اس میں کوئی راز ہے۔حضرت ہاجرہ آپ کے پیچھے گئیں اور کہا ابراہیم! کیا ہمیں یہاں اکیلے چھوڑے جارہے ہو؟ آپ نے اِس کا کوئی جواب نہ دیا۔حضرت ہاجرہ آپ کے پیچھے پیچھے کچھ دُور تک چلتی گئیں اور بار بار یہ کہتی تھیں کہ کیا تم ہمیں یہاں چھوڑ کر جارہے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ وقت اور درد کی وجہ سے آپ کوئی جواب نہیں دیتے۔آخر حضرت ہاجرہ نے کہا۔ابراہیم! تم کس کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑ کر چلے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منہ سے کچھ نہیں کہا کیونکہ محبت کے جذبات کی وجہ سے آپ بول نہیں سکتے تھے آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔تب حضرت ہاجرہ نے کہا اِذاً لَّا یُضَیِّعُنَا۔اگر تم ہمیں خدا تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے یہاں چھوڑ کر جارہے ہو تو فکر کی کوئی بات نہیں۔جس خدا نے تمہیں ہم کو یہاں چھوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ واپس چلی گئیں لیکن مشکیزہ میں جو پانی تھا اور تھیلی میں جو کھجوریں تھی وہ آخر چند دن ہی چل سکتی تھیں۔ جب یہ چیزیں ختم ہو گئیں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ستانا شروع کیا کہ مجھے کھانا دو، مجھے پانی دو، وہاں پانی کہاں تھا سینکڑوں میل تک کوئی آبادی نہیں تھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شدتِ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہونا شروع کیا۔آپ روتے تھے اور پانی مانگتے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد غشی طاری ہو جاتی تھی۔ پھر ہوش آتی تو پانی مانگتے۔ پھر غشی طاری ہو جاتی۔ ماں نے جب اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھی

تو گھبرا کر اُٹھیں اور صفا اور مروہ ٹیلوں پر جا کر اِدھر اُدھر پانی تلاش کرنا شروع کیا۔آپ پہلے صفا پر چڑ جاتیں اور اِرد گرد دیکھتیں کہ شاید کوئی قافلہ آ رہا ہو تو میں اُسے توجہ دلاؤں کہ ہمیں کچھ پانی دے۔ جب اُنہیں کوئی قافلہ نظر نہ آتا تو وہ مروہ پر چڑھ جاتیں اور دوسری طرف دیکھتیں تا کوئی قافلہ نظر آئے اور اُس سے پانی حاصل کیا جائے۔صفا اور مروہ کے درمیان نیچی زمین تھی۔ حضرت ہاجرہ جب وہاں آتیں تو بچے سے نظر ہٹ جاتی اِس لئے یہ درمیانی فاصلہ آپ دَوڑ کر طے کرتیں۔ اِسی لئے صفا اور مروہ کے درمیانی فاصلہ کو حاجی لوگ دوڑ کر طے کرتے ہیں۔ بہر حال حضرت ہاجرہ صفا اور مروہ کے درمیانی فاصلہ کو دَوڑ کر طے کرتی تھیں تا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھتی رہیں۔ اِسی طرح آپ نے سات چکر لگائے۔ساتویں چکر پر فرشتہ کی آواز آئی کہ اے ہاجرہ! جا اپنے بچے کے پاس۔خدا تعالیٰ نے وہاں پانی کا انتظام کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ واپس آئیں اور آپ نے دیکھا کہ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تڑپ رہے تھے وہاں ایک چشمہ پھوٹ رہا ہے۔[۴] جس کو زَم زَم کہتے ہیں اور جس کا پانی حاجی لوگ بطور تبرک لاتے ہیں۔غرض یہ مکہ کی بنیاد تھی اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی دوبارہ بنیاد رکھی تو کہا اے خدا! اس شہر کے رہنے والوں میں ایسا نبی مبعوث کیجیو جو اِنہیں تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے، اِنہیں تیری کتاب سکھائے، اس کی حکمتیں سنائے اور ان کے قلوب کا تزکیہ کرے۔[۵] گویا مکہ کی جو بنیاد رکھی گئی تھی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے لئے تھی۔اس بنیاد میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں شامل تھے۔یعنی ایک مرد اور ایک عورت۔

غرض اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی جب سے اسلام کی بنیاد رکھی عورت اور مرد دونوں کا حصہ رکھ کر چلایا تھا لیکن بدقسمتی سے دنیا میں جب بھی تغیرات ہوتے ہیں کئی چیزیں نظر انداز ہو جاتی ہیں۔عام طور پر جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ حکومت صرف مرد ہی کرتے ہیں مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملکوں میں عورتیں بھی حکومت کرتی رہی ہیں اور مرد ان کے تابع ہوتے تھے۔عورتوں کی حکومت میں بھی ظلم ہوتے تھے کیونکہ دونوں میں اتفاق اور اتحاد کی روح نہیں پائی جاتی اور دنیا صرف دونوں کے اتفاق و اتحاد سے ہی چل سکتی ہے ورنہ

عورتوں نے بھی بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی اُس نے کام لیا۔ اُنہیں الہام ہوا کہ اُن کے ہاں ایک بچہ ہوگا، فرعون دشمن ہے وہ اُسے مارنے کا ارادہ کرے گا اِس لئے جب وہ پیدا ہوا اُسے ٹوکرے میں ڈال کر دریا میں ڈال دینا۔[۶] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا۔ اب یہ کام ہر ماں نہیں کرسکتی۔ ایک کروڑ میں سے ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نوسَو ننانوے عورتیں ایسی جرأت نہیں کرسکتیں یا شاید کئی نسلوں میں بھی کوئی ایک عورت ایسی پیدا نہ ہو کہ جسے اِس قسم کا خواب آئے اور وہ اِس خواب کی بناء پر اپنے بیٹے کو دریا میں ڈال دے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا کیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کی بیوی کا ذکر آتا ہے باوجود اس کے کہ فرعون شدید دشمن تھا وہ ایمان رکھنے والی تھی اور ہمیشہ دعائیں کرتی رہتی تھی کہ اے اللہ! تو شرک کی ظلمت کو دور کردے اور سچائی کو دنیا میں قائم کر۔[۷]

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی بڑی قربانی کی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں نے بعض غلط باتیں اُن کی طرف منسوب کردی ہیں مگر اُنہیں جانے دو۔ مجھے ایک بات نظر آتی ہے جس سے ان کا وسعت حوصلہ معلوم ہوتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب کا حکم ہوا۔ بہت کم مائیں ہونگی جو اِس قسم کے نظارہ کو دیکھ سکتی ہوں۔ بائبل میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب صلیب پر لٹکایا گیا اُس وقت حضرت مریم موجود تھیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ایسے وقت مائیں بھاگ جایا کرتی ہیں اور وہ اپنے بچوں کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتیں لیکن حضرت مسیح کی والدہ اُس وقت موجود تھیں۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے دیکھا کہ اُن کی ماں اِس طرح اپنے دل کو حوصلہ دے کر کھڑی ہے کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے اور مجھے وہ منظور ہے تو وہاں آپ کا ایک شاگرد تھوما نامی کھڑا تھا حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر لٹکے ہوئے درد و کرب کی حالت میں تھوما کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے تھوما! یہ تیری ماں ہے۔ اور حضرت مریم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے عورت! یہ تیرا بیٹا ہے۔ ماں کا لفظ نہیں بولا تا رقت پیدا نہ ہو۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ میں

اپنی جگہ پر تھوما کو تیرا بیٹا بناتا ہوں۔ اِس میں یہ اشارہ تھا کہ صلیب پر مرنے یا ہمارے عقیدہ کے مطابق صلیب کے بعد کی زندگی میں جو تکالیف تمہیں پہنچنی ہیں اِن میں میرا یہ مخلص مرید تمہاری ایسی خدمت کرے گا جیسے میں۔ اِس لئے آئندہ کے لئے تم اسے اپنا بیٹا بنالو۔ گویا شروع سے ہی یہ سلسلہ چلا آیا ہے کہ عورتیں عظیم الشان کام سرانجام دیتی رہی ہیں۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں عورت نے قربانی میں مرد کا ساتھ نہ دیا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا۔ آپ غارِ حرا میں عبادت کر رہے تھے کہ الہام ہوا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ [8] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبرائے۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو آپ کانپ رہے تھے۔ آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کپڑا اوڑھا دیا گیا۔ گھبراہٹ ذرا کم ہوئی تو حضرت خدیجہؓ نے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اِس اِس طرح غار حرا میں عبادت کر رہا تھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اُس نے مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا ہے کہ جاؤ اور میرا پیغام دنیا کو پہنچاؤ۔ میں ڈرتا ہوں کہ نہ معلوم میں اِس کام کو کر سکوں گا یا نہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا مجھے خدا کی قسم ہے خدا تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں حق کی مدد کرتے ہیں۔ اِس زمانہ میں یہی شاندار اخلاق شمار ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا۔ اِن اخلاق کے ہوتے ہوئے خدا تعالیٰ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔[9] پھر فرمایا۔ میرا ایک بھائی ہے وہ عیسائی ہے اور بڑا عالم ہے اُس سے اِس بارہ میں ہدایت طلب کرتی ہوں۔ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ اُس نے بتایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس چیز کا خوف تھا ورقہ نے اُس کی تصدیق کی اور کہا یہ فرشتہ کسی پر کبھی نہیں آتا مگر اُسے سخت تکالیف پہنچتی ہیں۔ ورقہ نے کہا۔ کاش! میں اُس

وقت زندہ ہوتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو وطن سے باہر نکال دے گی اگر اُس وقت میں زندہ ہوا توأَنْصُرُکَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا میں کمر باندھ کر آپ کی مدد کروں گا۔ مکہ کے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتے تھے اِس لئے آپ حیران ہو گئے اور فرمایا۔ اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ کیا وہ مجھے باہر نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ فرشتہ کسی پر آیا ہو اور اُس کی قوم نے اُسے باہر نہ نکال دیا ہو۔[۱۰] آخر ایسا ہی ہوا یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ایمان لانے والی اور آپ کو حوصلہ دلانے والی عورت ہی تھی اور پھر حضرت خدیجہؓ نے ۱۳ سال تک آپ کی تکالیف میں آپ کا ساتھ دیا اور کسی وقت بھی ڈگمگا ئیں نہیں۔ پھر آپ کی تمام بیویوں کے حالات کو اسلام میں بیان کرنے کی وجہ آخر کیا ہے؟ اِس کی وجہ یہی ہے کہ دنیا میں عورت اور مرد دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی نئی بنیاد قائم نہیں ہوتی جس میں عورت اور مرد دونوں شامل نہ ہوں۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے عورت اور مرد کو اس لئے بنایا ہے کہ تا دنیا آباد ہو۔ گویا جب تک عورت اور مرد دونوں کو نہ بنایا جاتا دنیا آباد نہیں ہوسکتی تھی۔

یہی حال روحانی دنیا کا ہے۔ روحانی دنیا بھی اُس وقت تک آباد نہیں ہوتی جب تک عورت اور مرد دونوں مل کر کام نہ کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے عورتوں کو دین کی تعلیم میں شامل رکھتے تھے۔ آپ جب وعظ فرماتے تھے تو عورتوں کو اِس میں شامل ہونے کے لئے حکم فرماتے تھے۔ مثلاً عید ہے۔ عید کا خطبہ سننے کیلئے آپ عورتوں کو بھی دعوت دیتے تھے۔ آپ کی یہ ہدایت تھی کہ خواہ عورتوں کو اپنا کام چھوڑ کر ہی خطبہ میں شامل ہونا پڑے اُنہیں شامل ہونا چاہئے۔[۱۱] پھر عورتوں نے کہا کہ ہم کام کاج میں لگی رہتی ہیں اِس لئے ہم باقاعدہ طور پر وعظوں اور خطبات میں شامل نہیں ہوسکتیں آپ کوئی نہ کوئی وقت عورتوں کے لئے مخصوص فرما دیں۔ اِس پر آپ نے ہفتہ میں سے ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا۔[۱۲] عورتیں مردوں کے جلسوں میں بھی شامل ہوتی تھیں اور اس مخصوص دن بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح سے مستفید ہوا کرتی تھیں۔

اِس سے پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو کتنی اہمیت دی ہے چنانچہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی نے دین سیکھنا ہو تو نصف دین عائشہؓ سے سیکھے۔[۱۳] اِس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے عائشہؓ کو ایسی ٹریننگ دے دی ہے کہ عورتوں کے متعلق جو نصف مسائل ہیں وہ ان سے سیکھے جا سکتے ہیں۔ غرض خالی مرد کام نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لو تمام مسائل، احکام اور انعامات میں عورت اور مرد دونوں کا ذکر ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جاتا ہے نیک مرد تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے نیک عورتیں۔ اگر کسی جگہ ذکر ہے کہ عبادت کرنے والے مرد تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ عبادت کرنے والی عورتیں۔ پھر اگر یہ ذکر ہے کہ جنت میں مرد جائیں گے تو ساتھ ہی یہ ذکر ہوگا کہ جنت میں عورتیں بھی جائیں گی۔ مرد کی اگر اعلیٰ درجہ کی نیکیاں ہیں اور وہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام پر رکھا جاتا ہے تو اُس کی بیوی جس کی نیکیاں اُس مقام کے مناسب حال نہیں اپنے خاوند کی وجہ سے اسی مقام پر رکھی جائیں گی۔ اسی طرح اگر عورت اعلیٰ نیکیوں کی مالک ہے اور ان کی وجہ سے وہ جنت میں اعلیٰ مقام پر رکھی جاتی ہے تو اس سے ادنیٰ نیکیاں رکھنے والا خاوند بھی اس کی وجہ سے اُسی مقام پر رکھا جائے گا۔

غرض تمام معاملات میں خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد دونوں کی ذمہ داریوں کو اہمیت دی ہے۔ بعد کے زمانہ میں بیشک اِس تعلیم میں بہت فرق پڑ گیا مگر جہاں تک ابتدائی زمانہ کا سوال ہے اُس زمانہ میں عورتیں دین کی خدمت کرتی تھیں۔ انہیں خدمت کا احساس تھا وہ جہاد کے لئے بھی باہر جاتی تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ کیا مرد ہم سے زیادہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہیں کہ وہ جہاد میں شامل ہوں اور ہم شامل نہ ہوں۔ ہم بھی جہاد میں شامل ہوا کریں گی۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ چنانچہ وہ عورت ایک جنگ میں شریک ہوئی اور جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو اُس کو بھی باقاعدہ طور پر حصہ دیا گیا۔ بعض صحابہؓ نے کہا کہ اِس کو حصہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اِس کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس عورت کو حصہ دیا گیا پھر آپ کی یہ سنت ہوگئی کہ جب مرد جہاد پر جاتے تھے تو مرہم پٹی کے لئے عورتیں بھی ساتھ چلی جاتی تھیں۔[۱۴] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی جنگوں میں بھی عورتیں شامل ہوتی رہیں اور بعض جنگوں پر عورتوں نے کمان بھی کی ہے چنانچہ اسلام میں جب فتنہ اُٹھا تو خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت

حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں فوج کی کمان کی اور خود اونٹ پر سوار ہو کر فوج کو لڑایا۔[۱۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتیں فنونِ جنگ سے بھی واقف ہوا کرتی تھیں۔

پھر ان میں ایسی دلیری تھی کہ اپنے حق کی خاطر خلیفۂ وقت کے سامنے بھی بولنے سے نہیں رُکتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ یہ سوال پیدا ہوا کہ مہر کتنا دیا جائے۔ اب تو ہندوستان میں اس بارہ میں بہت سی لغویات پیدا ہوگئی ہیں مثلاً مہر باندھ دیا جاتا ہے ایک من مچھروں کے پَر۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی مرد کی طاقت سے زیادہ مہر باندھا جانے لگا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اِس کی اجازت نہیں دوں گا۔ مردوں نے کہا ٹھیک ہے۔ عورتوں میں سے ایک صحابیہؓ آپ کے پاس آئی اور کہا عمرؓ! تم نے یہ کیا نئے مسائل بتانے شروع کر دیئے ہیں قرآن کریم میں تو لکھا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اگر ڈھیروں ڈھیر سونا بھی دے دو تو اُن سے واپس نہ لو۔ اگر ڈھیروں ڈھیر سونا کسی نے دینا ہی نہیں تو اس آیت کے قرآن میں لائے جانے کی کیا ضرورت تھی حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فرمایا مدینہ کی عورتیں عمرؓ سے بھی زیادہ قرآن کریم جانتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس طرح وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک لفظ کو سمجھتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔

ایک جنگ میں حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفرؓ شہید ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے چند افراد ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے باقی سب کافر تھے اور مکے میں رہ گئے تھے۔ جب واپس آئے تو عورتوں نے اپنے اپنے مردوں پر رونا شروع کیا اُس وقت رونے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے اور دریافت فرمایا یہ شور کیسا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ مدینہ کی عورتیں اپنے بھائیوں، بچوں اور خاوندوں پر رورہی ہیں۔ انسان کے ساتھ آخر بشریت تو لگی ہوئی ہے آپ کی نظر جب جعفرؓ کے گھر پر پڑی تو وہاں بالکل سناٹا تھا۔ آپ کی طبیعت میں رقت پیدا ہوئی اور فرمایا جعفرؓ پر تو رونے والا کوئی نہیں۔ یہ معمولی بات تھی آپ کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ حضرت جعفرؓ پر رویا جائے اور نہ آپ رونا پسند کرتے تھے۔ صرف یہ نظارہ دیکھ کر کہ اِرد گرد عورتیں اپنے مردوں پر رو رہی ہیں لیکن جعفرؓ کا گھر سُونا پڑا ہے

آپ کے منہ سے یہ کلمہ نکل گیا کہ جعفرؓ پر تو کوئی نہیں رو رہا اس لئے کہ ان کے رشتہ دار وہاں نہیں تھے اور دوسروں کے رشتہ دار مدینہ میں تھے یہ خبر عورتوں میں پہنچی۔ انہوں نے فوراً رونا بند کر دیا اور مدینہ کی ساری عورتیں حضرت جعفرؓ کے گھر پہنچ گئیں اور وہاں رونا شروع کر دیا۔ حضرت جعفرؓ کے گھر سے جب رونے کی آواز آئی تو آپ بہت گھبرائے اور دریافت فرمایا کہ یہ شور کیسا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ نے ہی فرمایا تھا کہ جعفرؓ پر رونے والا کوئی نہیں عورتوں نے جب یہ سنا تو انہوں نے خیال کیا کہ واقعہ میں ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں پر رو رہی تھیں ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی کے بھائی پر ان سے زیادہ رونا چاہئے۔ آپ کا بھائی ہمارے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں سے مقدم ہے۔ آپ نے فرمایا میرا تو یہ مطلب نہیں تھا یونہی میرے منہ سے ایک فقرہ نکل گیا تھا ورنہ میں تو رونا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے ایک شخص سے کہا انہیں رونے سے منع کرو لیکن ان عورتوں کو تو یہ احساس تھا کہ پہلے ہم سے یہ غلطی ہوگئی تھی ہم نے اپنے مُردوں پر رونا شروع کر دیا تھا دراصل ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی پر رونا چاہئے تھا۔ اس مرد نے بہتیرا کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رونا بند کر دو لیکن وہ کہنے لگیں۔ جاؤ جاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی مارا گیا ہے ہم اِس پر ضرور روئیں گی۔

ہر قوم میں بعض کم سمجھ والے آدمی ہوتے ہیں اور بعض زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔ وہ شخص بھی کم سمجھدار تھا جب اُسے عورتوں نے یہ جواب دیا تھا تو اُسے چاہئے تھا کہ خاموش رہتا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں نے ان عورتوں تک آپ کا حکم پہنچایا تھا لیکن اُنہوں نے مانا نہیں۔ ہماری پنجابی کی طرح عربی میں بھی ایک محاورہ ہے فلاں کے منہ پر مٹی ڈال۔ آپ نے فرمایا ان کے منہ پر مٹی ڈال اور اس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ انہیں رونے دو۔ خود بخود رو دھو کر چپ ہو جائیں گی لیکن وہ شخص زیادہ سمجھدار نہیں تھا وہ آپ کا مطلب نہ سمجھ سکا اُس نے مٹی اُٹھا کر عورتوں کے منہ پر ڈالنا شروع کی۔ حضرت عائشہؓ ناراض ہوئیں اور فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ منشاء نہیں تھا۔ اُس شخص نے پھر شکایت کی آپ نے فرمایا عائشہؓ نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ کہ کتنی عورتیں ہیں جو اپنے قومی کاموں

کی خاطر اپنے جذبات کی پرواہ نہیں کرتیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آجکل بھی ہزاروں ایسی عورتیں ملیں گی جو قومی ذمہ داریوں کے سامنے اپنی ضرورتوں کو نظرانداز کر دیتی ہیں لیکن وہاں تو وہ اپنے رشتہ داروں پر رو رہی تھیں کہ اُنہیں آواز آئی کہ جعفرؓ پر رونے والا کوئی نہیں یہ آواز سنتے ہی وہ رُک گئیں اور فوراً حضرت جعفرؓ کے گھر چلی گئیں۔جس طرح سائیکل کو فوراً موڑنا مشکل ہے اسی طرح ان عورتوں کے جوش کو موڑنا بھی مشکل تھا لیکن وہاں ایسا ہی ہوا عورتیں اپنے مردوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور جذبات کی رَو میں بہی جا رہی تھیں کہ یکدم انہیں رسول کریم ﷺ کی آواز آئی اور انہوں نے اپنے جذبات کو دبا دیا اور رونا بند کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت کا بچہ مر گیا تھا وہ قبر پر کھڑی رو رہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس سے گزرے اور آپ نے اُسے صبر کی تلقین کی۔وہ عورت کہنے لگی کہ دوسروں کو نصیحت کرنا آسان امر ہے جس کا اپنا بچہ مر گیا ہو تکلیف کا احساس اُسی کو ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا۔میرے تو سات بچے فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔کسی شخص نے اُس عورت سے کہا۔اے عورت! کیا تم نے پہچانا نہیں یہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔وہ عورت دوڑتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں صبر کرتی ہوں آپ نے فرمایا۔اب صبر کرنے کا کیا فائدہ اَلصَّبْرُ لِاَوَّلِ وَھْلَۃٍ صبر تو شروع میں ہی ہوتا ہے۔

یہ مثال میں نے اس لئے دی ہے کہ انسان جوش میں آیا ہوا ہو تو اُس کیلئے رُکنا بہت مشکل ہوتا ہے۔جیسے وہ عورت جوش کی حالت میں تھی مگر اُس حالت میں اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ پہچانا حالانکہ وہ آپ پر ایمان لانے والوں میں سے تھی۔پس ان عورتوں کو اپنے مُردوں پر روتے ہوئے فوراً رُک جانا بہت بڑے تصرف اور طاقت کی علامت ہے۔غرض آدم علیہ السلام سے لیکر آخر تک ہر زمانہ میں مذہب عورتوں کا ذکر کرتا آیا ہے۔ چنانچہ مکہ کی تعمیر کے وقت اسلام حضرت ہاجرہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔حالانکہ نبی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت اسلام اُن کی والدہ کا ذکر کرتا ہے حالانکہ نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت قرآن کریم اُن کی والدہ کا

ذکر کرتا ہے حالانہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی تاریخ کو کیوں محفوظ رکھا گیا؟ اِس سے صرف یہی بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہے اِس لئے تمہارا بھی اِس میں حصہ ہے۔

انسان جو کام کرتا ہے اس سے اُسے پیار ہوتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے گھر کو کوئی شخص برباد نہیں کرتا۔ بچے ریت کے گھروندے بناتے ہیں مگر جب کوئی دوسرا بچہ اُنہیں گرا دیتا ہے تو وہ اس سے لڑ پڑتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے عورتوں پر یہ واضح کر دیا ہے کہ دین میں ان پر ویسی ہی قربانیاں عاید ہوتی ہیں جیسی مردوں پر۔ یہ نہ کرنا کہ تم اسے چھوڑ دو اور سمجھ لو کہ یہ صرف مردوں کی چیز ہے ایسا کرو گی تو دین کمزور ہو جائے گا۔

اِس زمانہ میں جو نازک دَور مسلمانوں پر آیا ہے وہ ایسا ہے کہ آج سے چار پانچ سَو سال پہلے کوئی اِس کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر آج سے چار پانچ سَو سال قبل کے مسلمانوں کو اِس زمانہ کی حالت نقشہ پر دکھا دی جاتی تو اِس پر کوئی اعتبار نہ کرتا لیکن آج بھی اگر نقشے پر رنگ دے دیئے جائیں اور بتایا جائے کہ پُرانے زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت فلاں فلاں جگہ تک پھیلی ہوئی تھی اور اب اِس کی حکومت فلاں جگہ تک ہے یا پُرانے زمانہ میں مسلمانوں کی علمیت اتنی تھی اور اب اتنی ہے تو ہر عقلمند عورت اور ہر عقلمند مرد کو غش آ جائے گا۔ ہم معمولی غموں کے قصّے سنتے ہیں تو رونا آ جاتا ہے مگر اسلام کا دکھ تو اتنا بڑا ہے کہ ہر مسلمان جس کو اسلام سے ذرا بھی تعلق ہے اُس پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی یورپ جو آج ساری دنیا پر حکومت کر رہا ہے اِس کا اکثر حصہ مسلمانوں کے ماتحت تھا۔ پولینڈ پر مسلمانوں کی حکومت تھی، آسٹریا پر مسلمان قابض تھے، ہنگری ان کے قبضہ میں تھا، فرانس کے ساحلوں تک وہ پھیلے ہوئے تھے، جنوبی اٹلی پر ان کی حکومت تھی، فن لینڈ اور سپین پر ان کی حکومت تھی، ادھر ایشیا میں سوائے جاپان کے باقی سب ملکوں اور جزائر پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، افریقہ کے کثیر حصوں پر ان کی حکومت تھی۔ امریکہ اُس وقت معلوم نہ تھا لیکن معلوم دنیا میں سوائے چند حبشی قبائل کے کوئی ملک ایسا نہ تھا جس پر مسلمان قابض نہ تھے اور پھر جہاں قبضہ نہ تھا وہاں اِن کی ایسی دہشت اور رُعب چھایا ہوا تھا کہ وہاں کے رہنے والے محض مسلمانوں کے رحم پر تھے۔ اُس زمانہ میں صرف ایک حکومت تھی جو مسلمانوں

کے علاوہ تھی اور وہ حبشہ کی حکومت تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب مسلمانوں پر کفار نے مظالم ڈھائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان حبشہ کی طرف چلے جائیں وہاں کا بادشاہ ان کو پناہ دے گا۔ اِس پر بعض مسلمان حبشہ کی طرف چلے گئے اور باوجود اس کے کہ کفارِ مکہ نے بہت کوششیں کیں کہ مسلمان ان کے حوالے کر دیئے جائیں حبشہ کا بادشاہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوا اور مسلمان اُس کی حکومت میں آرام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اِس بادشاہ کو بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی خط لکھا اور وہ مسلمان بھی ہوگیا اور وہ خط اُس نے بطور تبرک چاندی کے بنے ہوئے ایک کیسکٹ (CASKAT) میں رکھا اور اپنے وزراء کو دیا اور ہدایت کی کہ ہمیشہ کے لئے یہ خط محفوظ رکھا جائے کیونکہ ہمارے ملک کیلئے یہ تعویز کام دے گا۔ حبشہ کے بادشاہ کا مسلمانوں پر یہ احسان تھا کہ اُس نے چالیس پینتالیس مسلمانوں کو پناہ دی بعد میں اُس وقت کا بادشاہ نجاشی مسلمان بھی ہوگیا مگر اُس کا وارث عیسائی تھا۔ حبشہ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اس کے اِرد گرد مسلمانوں کی بڑی بڑی شہنشاہیاں تھیں۔ مثلاً مصر کی فاطمی حکومت اس کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے لشکر ٹڈی دل کی طرح اس کے ساحلوں سے گزر جاتے تھے مگر وہ حبشہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ آجکل چالیس پینتالیس آدمیوں کو پناہ دینا ایسا کارنامہ نہیں کہ کوئی حکومت پناہ دینے والی کی عزت کرے لیکن مسلمانوں نے ۱۳۰۰ سال تک حبشہ کے احسان کو یاد رکھا مگر عیسائیوں کی حالت یہ ہے کہ جب مسلمان کمزور ہوئے تو انہوں نے سَو سال تک بھی برداشت نہ کیا اور جنوبی اٹلی پر قبضہ کرلیا۔ غرض یہ ایک ہی حکومت تھی جو مسلمانوں کے زمانۂ اقتدار میں قائم رہی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمان یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی خدمت کی ہے وہ اس کی حفاظت کریں گے۔

پس مسلمانوں کی یہ عظمت اگر مٹ جائے تو یہ ایسی چیز نہیں کہ کوئی شریف النفس اور حساس دل خواہ وہ عورت ہو یا مرد اِس کے صدمہ سے اپنے نفس پر قابو رکھ سکے۔ لیکن کسی مصیبت کے آنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس مصیبت کو جاری رکھا جائے۔ جب بھی خدا تعالیٰ توفیق

دے اسے ختم کر دینا چاہیئے۔ مسلمانوں پر یہ مصیبت اِس لئے آئی کہ انہوں نے دین کو چھوڑ دیا اور دنیا کو اپنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے سے منع نہیں فرمایا مگر اُس نے یہ کہا ہے کہ پہلے دین کا کام کرو اور پھر دنیا کماؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بھی دنیوی کام کرتے تھے، وہ زمینداریاں بھی کرتے تھے تجارتیں بھی کرتے تھے مگر وہ اِن کو دین کے تابع رکھتے تھے اور جب بھی خدا تعالیٰ کی آواز آتی تھی وہ اِنہیں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ سے ایک سوال کیا کہ کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے پھر سوال کیا کہ کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں۔ حضرت حسنؓ نے کہا تب تو آپ ایک رنگ میں شرک کے مرتکب ہوئے۔ شرک اِسی کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس کی محبت میں کسی اَور کو شریک بنا لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ حسنؓ! میں شرک کا مرتکب نہیں ہوں میں بے شک تجھ سے محبت کرتا ہوں لیکن جب تیری محبت خدا تعالیٰ کی محبت سے ٹکرا جائے تو میں فوراً اِسے چھوڑ دوں گا۔ توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایسے کاموں میں نہ پڑے جو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں آ جائیں۔ وہ بیشک دنیا کمائے، زمینداریاں کرے، تجارتیں کرے مگر جب یہ آواز آئے کہ خدا تعالیٰ اُسے بلاتا ہے تو فوراً وہ کام چھوڑ دے اور خدا تعالیٰ کی آواز کی طرف دَوڑ جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں جب بعض مسلمانوں نے اِس میں کوتاہی دکھائی تو قرآن کریم میں ان کے خلاف احکام نازل ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ مومن ہیں اور پھر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے وہ قابل سزا ہیں اور جو منافق ہیں انہوں نے اپنے نفاق کا ثبوت دے دیا ہے۔

یہاں پھر میں ایک ایسی عورت کا واقعہ بیان کرتا ہوں جس نے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ صرف اپنے خاوند کی محبت کو ٹھکرایا بلکہ اسے ملامت بھی کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں متعدد جنگیں ہوئیں مگر ان سب سے زیادہ خطرناک جنگ وہ تھی جب یہ خبر آئی کہ روما کی فوجیں عرب پر حملہ کرنے کے لئے آ رہی ہیں۔ عرب کے مقابلہ میں روما کی اُس وقت ایک ایسی ہی طاقت تھی جیسے آجکل انگریز حکومت کسی دس بارہ لاکھ کی آبادی کے ملک پر حملہ کر دے۔ اُس وقت روما کی حکومت میں لبنان کا ملک شامل تھا، آرمینیا تھا، سارا ٹرکی تھا، روس کے کچھ

حصے تھے، آسٹریا تھا، ہنگری تھا، لیبیا تھا، افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو حصے تھے وہ بھی روما کی حکومت کے ماتحت تھے ان سب ملکوں کی کل آبادی دو کروڑ تھی لیکن ان کے مقابلہ میں عرب کی کل آبادی دو اڑھائی لاکھ تھی۔ پھر وہ روپے والے تھے۔ غرض مسلمانوں پر سب سے زیادہ نازک موقع اُس وقت آیا جب انہوں نے یہ خبر سنی کہ روما کی حکومت عرب پر حملہ آور ہو رہی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا کہ بجائے اِس کے کہ روما کی فوجیں ہم پر حملہ آور ہوں مناسب ہوگا کہ ان کے مقابلہ کے لئے ہم خود باہر جائیں۔ چنانچہ آپ دس بارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج ساتھ لے کر روما کے لشکر کے مقابلہ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے حکم دے دیا کہ سب مخلص مومن اس جنگ کیلئے چل پڑیں۔ اِس سے قبل آپ نے خود ایک صحابیؓ کو کسی کام کیلئے باہر بھیجا تھا جب آپ مقابلہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہو گئے تو وہ صحابیؓ واپس آئے۔ وہ مدت کے بعد واپس آئے تھے جب مدینہ پہنچے تو اُنہیں صرف اتنا پتہ لگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دُور سے آتا ہے اور دیر کے بعد گھر آتا ہے تو قدرتی طور پر وہ اپنی بیوی سے پیار کرتا ہے۔ وہ صحابیؓ بھی گھر آئے اور چاہا کہ بیوی سے پیار کریں مگر اُس نے پرے ہٹا کر کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جنگ کیلئے باہر گئے ہوئے ہوں اور تجھے بیوی سے پیار سوجھ رہا ہے۔ اِس کا اِس صحابیؓ پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کیلئے باہر چلے گئے۔ اب یہ خدا کی محبت اور اس کے خاوند کی محبت کا مقابلہ تھا۔ یہ نہیں کہ اُس صحابیہ کو اپنے خاوند سے محبت نہیں تھی بلکہ جب یہ سوال آ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف میں ہیں اور ان کا خاوند آرام میں ہے تو وہ برداشت نہ کر سکیں۔

غرض جب خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا کسی اَور سے مقابلہ آ جاتا ہے تب دین اس میں روک بنتا ہے۔ اسلام دنیا کمانے، تجارتیں اور زمینداریاں کرنے میں روک نہیں بنتا ہاں یہ کہتا ہے کہ جب یہ زمینداریاں اور تجارتیں وغیرہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں آ جائیں تو ہر سچے اور مخلص مؤمن کا فرض ہے کہ انہیں چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، اِس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ ورنہ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ دنیا کمانے سے روکتا ہے درست نہیں۔ صحابہ تجارتیں کرتے تھے،

زمینداریاں کرتے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود زمینداری کرتے تھے چنانچہ جب خیبر فتح ہوا تو آپ نے اُس کا ایک حصہ اپنے خاندان کے لئے وقف کر دیا تھا۔ بہرحال دنیا کمانا منع نہیں۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کی آواز آجائے تو دوسرے تمام کاموں کو چھوڑ کر اُس طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

خدا تعالیٰ کی آواز تو بہت بڑی چیز ہے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ماں اپنے کام میں مشغول ہوتی ہے لیکن جب اُسے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو وہ سب کام چھوڑ کر اُس کی طرف دَوڑ پڑتی ہے۔ مثلاً ایک عورت دودھ دوھ رہی ہوتی ہے، فرض کرو کہ وہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھی دودھ دوھ رہی ہے (اور دودھ کا خراب ہو جانا زمیندار کے لئے بہت بڑا نقصان ہے) اِدھر سے اسے بچہ کے رونے کی آواز آجاتی ہے تو وہ عورت دودھ پھینک کر بچہ کی طرف چلی جائے گی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی آواز آئے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اب کوئی اَور کام کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

اسلام کے تنزل کے زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ان میں کمزوریاں تھیں وہاں ان کے اندر بعض اچھی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ خلفائے عباسیہ کی حکومت جب کمزور ہوئی تو اُس وقت خلیفہ کی حالت ایسی ہی تھی جیسے ہندوستان پر جب انگریزوں نے قبضہ کر لیا تو مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حالت تھی۔ عکہ تک تمام علاقہ چھن گیا تھا ایک دفعہ خلیفہ جب شطرنج کے مہروں کی طرح رہ گیا تھا۔ عکہ میں سے ایک قافلہ گزر رہا تھا کہ ایک عورت کو کسی عیسائی نے چھیڑا اور اسے قید کر لیا وہ ایک دیہاتی عورت تھی اُسے یہ علم نہیں تھا کہ آجکل مسلمانوں پر ضعف کا زمانہ آیا ہوا ہے وہ مسلمانوں کی پہلی شان ہی سمجھتی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں میں تعلیم کم ہوگئی تھی۔ اس لئے جوش میں آکر کہا یَـالَلْـخَـلِـیْـفَۃ۔ اے خلیفہ! میں تمہیں اپنی مدد کیلئے پکارتی ہوں۔ حالانکہ اُس وقت عیسائی بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی شکست دے چکے تھے اور خلیفہ تو اُس وقت دہلی کے آخری بادشاہ کی طرح تھا۔ قافلہ کے لوگ اُس عورت کی اِس بات پر ہنس پڑے اور کہا یہ کتنی پاگل ہے خلیفہ کو تو اِس وقت کوئی پوچھتا بھی نہیں لیکن یہ اس کو مدد کے لئے پکار رہی ہے۔ وہ سارا راستہ اِس لطیفہ پر ہنستے آئے۔ پرانے زمانہ میں ریل وغیرہ کی سہولتیں نہیں

تھیں اس لئے خبریں دیر سے پہنچتی تھیں۔ جب کوئی تجارتی قافلہ شہر میں آتا تو لوگ اس کا استقبال کرتے اور اُس سے تازہ خبریں پوچھتے۔ اِسی طرح جب یہ قافلہ بغداد پہنچا تو لوگ جمع ہو گئے اور کہا کوئی تازہ لطیفہ سناؤ۔ قافلہ والوں نے بتایا فلاں جگہ سے جب ہم گزر رہے تھے تو کسی عیسائی نے ایک مسلمان دیہاتی عورت کو چھیڑا اور اس نے جوش میں آ کر کہا یَاالْخَلِیْفَۃ! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ خلیفہ کی حالت تو اِس وقت ایک وظیفہ خوار کی سی ہے اور وہ اسے اپنی مدد کیلئے پکار رہی تھی۔ پھیلتے پھیلتے یہ خبر خلیفہ کے دربار میں بھی پہنچی۔ باوجود اِس کے کہ خلیفہ کی حیثیت اُس وقت محض ایک وظیفہ خوار کی سی تھی لیکن دہلی کے بادشاہوں کی طرح وہ اُس زمانہ میں بھی اپنا دربار لگایا کرتا تھا۔ دربار میں کسی شخص نے دوسرے کے کان میں کہا کہ یہ لطیفہ ہوا ہے۔ اُس درباری نے تو یہ بات لطیفہ کے رنگ میں بیان کی تھی لیکن خلیفہ کے ذہن میں اب بھی یہ بات تھی کہ وہ بادشاہ ہے۔ یہ بات سن کر اُس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور وہ تخت سے اُتر آیا اور ننگے پاؤں باہر نکل گیا اور کہنے لگا میرے ساتھ کوئی جائے یا نہ جائے میں ضرور جاؤں گا اور یا تو اس عورت کو چھڑا لاؤں گا یا وہیں مارا جاؤں گا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی کہ جب ایک بناوٹی اور موم کی مانند خلیفہ کے منہ سے بھی یہ بات نکلی کہ خواہ کوئی میرے ساتھ جائے یا نہ جائے میں جاؤں گا اور اُس عورت کو چھڑا لاؤں گا یا خود مارا جاؤں گا تو بہت سے اور مومنوں نے بھی خیال کیا کہ ہم بھی اس مظلوم عورت کو بچانے کے لئے نکلیں چنانچہ ہزاروں ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار ہو گیا۔ پھر جب اِرد گرد کے علاقہ میں خبر پہنچی تو دوسرے نوابوں نے بھی یہ خیال کیا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں وہ بھی اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کے ساتھ مل گئے۔ جب خلیفہ شام تک پہنچا تو ایک لشکر جرار اکٹھا ہو گیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور وہ عورت دشمن کے پنجہ سے چھڑا لی گئی۔

پس اگر ایک مظلوم عورت کی آواز نے جس میں رحم کی اپیل پائی جاتی تھی ایک مردہ خلیفہ کے اندر جس کی حکومت نہیں تھی صرف گورنر کچھ روپے دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ وہ شطرنج اور شراب میں اپنا وقت صَرف کر دیتا تھا ایک بیداری پیدا کر دی اور اُس نے اس کی رحم کی اپیل سے متأثر ہو کر یہ ارادہ کر لیا کہ وہ جب تک اس مظلوم عورت کو دشمن سے نجات نہیں

دلائے گا واپس نہیں آئے گا۔ تو خدا اور اُس کے رسول کی آواز ہمارے اندر یہ جوش کیوں پیدا نہیں کرتی۔ اِس وقت عملاً خدا اور اس کا رسول اپنی مدد کے لئے پکار کر رہے ہیں لیکن باوجود اِس کے کہ ہم ان کی آواز سنتے ہیں ہمیں کوئی غیرت نہیں آتی کہ ہم بیدار ہوں اور ایسے کام کریں جن سے خدا اور اس کے رسول کی حکومت دنیا میں قائم ہو۔

ایک بزرگ نے جو بھوپال کے رہنے والے تھے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ ایک نحیف اور کمزور انسان زمین پر پڑا ہے وہ کوڑھی ہے، آنکھیں اُس کی نکلی ہوئی ہیں ناک اور منہ پر زخم ہیں اور ان زخموں پر کثرت سے مکھیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا تو کون ہے جو اِس حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اُس نے کہا میں خدا ہوں۔ میں نے کہا ہم تو قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اتنا حسین ہے کہ اس سے زیادہ حسین اَور کوئی نہیں اور تم کہتے ہو کہ میں خدا ہوں۔ اُس نے کہا میں بھوپال کا خدا ہوں۔ بھوپال والوں کے نزدیک میری ایسی ہی حالت ہے۔ نہ وہ میرا احترام کرتے ہیں نہ ان میں میرا ادب ہے۔ مجھ سے انہیں کوئی محبت نہیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا بھی انہیں لحاظ ہوگا مگر میرا انہیں کوئی لحاظ نہیں۔

پس خدا خدا تو ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دل میں اُس کی کیا قدر ہے۔ اِسی طرح رسول ہیں۔ رسول رسول تو ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دل میں اُس کی کیا قدر ہے۔ آخر وہ کون سی بات ہم میں پائی جاتی ہے جو دوسروں کیلئے کشش کا موجب ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قربانیاں کیں وہ کہاں ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انکسار کا نمونہ دکھایا وہ کہاں ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غریبوں پر مہربانی کی جو حالت تھی وہ کہاں ہے؟ اگر کسی میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں یا وہ اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اُس کا خدا اور اُس کا رسول زندہ ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ ان کی آواز نہیں سنتا اور وہ خدا تعالیٰ کی آواز کو نہیں سنتے تو وہ زندہ کیسے ہوئے۔ سو تم ایسی روح اپنے اندر پیدا کرو کہ جس سے معلوم ہو کہ تمہارا خدا اور رسول دونوں زندہ ہیں۔ تم اسلامی اخلاق اور اسلامی علوم سیکھو اور ان پر عمل کرو اور اِس کیلئے قرآن کریم کا پڑھنا ضروری ہے جس میں لکھا ہے کہ یوں کرنا چاہئے اور یوں نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ہمیں اس کے معنی نہیں آتے یا معنے تو

آتے ہیں مگر ہم اسے پڑھتے نہیں تو اِس کا فائدہ کیا؟

مصر کے ایک عالم نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے قرآن کریم کے نزول کی اٹھارہ اغراض بیان کر کے اِس پر تمسخر اُڑایا ہے۔ ان میں سے تین اغراض اس نے یہ بتائی ہیں کہ قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے کہ دوسرے سے چار آنے یا آٹھ آنے لے کر اس کے حق میں جھوٹی قسم کھائی جائے۔ دوسرے قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے تا ریشم کا غلاف چڑھا کر اسے طاق میں رکھ دیا جائے۔ تیسرے قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے تا ہر چیز کو صفائی سے رکھا جائے مگر قرآن کریم پر سے گرد کو نہ ہٹایا جائے۔ اسی طرح اس نے اٹھارہ اغراض گنائی ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی نزول کی باقی سب اغراض ہیں صرف اس کا پڑھنا یا اس پر عمل کرنا اس کے نزول کی غرض نہیں۔ فرض کرو اگر قرآن کریم ہمیں آتا نہیں یا اس کو ہم پڑھتے نہیں تو اس کا فائدہ ہی کیا؟

ہمارے استاد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں سے جب میں پوچھتا ہوں کہ کیا قرآن کریم پڑھتی ہو؟ تو بہت سی عورتیں یہ جواب دیتی ہیں کہ ہم تو اَن پڑھ ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ سب غلط عذر ہیں بلکہ یہ بات کہہ کر وہ اپنے گناہ کو بڑھا لیتی ہیں۔ پڑھی ہوئی عورت کے پاس اگر اس کے کسی عزیز کا خط آتا ہے تو وہ اسے ایک دفعہ پڑھ کر رکھ دیتی ہے لیکن اگر کسی اَن پڑھ عورت کے عزیز کا خط آجائے تو وہ جب تک سات دفعہ کسی سے پڑھوا کر سن نہ لے اُسے چین نہیں آتا۔ وہ ایک شخص سے خط پڑھواتی ہے تو سمجھتی ہے کہ شاید یہ کوئی بات چھوڑ گیا ہو۔ پھر وہ دوسرے کے پاس جاتی ہے تو اس کے متعلق بھی وہ یہی خیال کرتی ہے۔ پھر تیسرے کے پاس جاتی ہے۔ اِسی طرح وہ کئی افراد سے خط پڑھوا کر سنتی ہے پھر کہیں اسے صبر آتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے جب دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ پڑھی ہوئی عورت تو اپنے کسی عزیز کے خط کو ایک ہی دفعہ پڑھ کر رکھ دیتی ہے لیکن اَن پڑھ عورت سات سات آٹھ آٹھ دفعہ اسے پڑھوا کر سنتی ہے تو اسے قرآن کریم بھی زیادہ سننا چاہئے اور بار بار سننا چاہئے تا پڑھنے والے کی غفلت سے کوئی بات چھوٹ گئی ہو تو وہ اَور کسی سے پڑھا کر سن لے۔

بہرحال قرآن کریم کا پڑھنا مقدم ہے۔ پھر اس پر عمل اِس طرح ہوگا کہ ہمیں دوسروں کو قرآن کریم سکھانا ہوگا اور اس بارہ میں ہمیں کبھی بھی دوسرے سے دشمنی کا طریق اختیار نہیں کرنا۔ اس سے آگے کئی بحثیں ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہئے یا نہیں؟ حکومت میں یہ کہاں تک حصہ لے سکتی ہیں؟ پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ مسلمانوں میں ایک فریق مذہبی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پردہ اسلام سے ثابت ہے مگر بعض دوسرے لوگ پردہ کے مخالف ہیں وہ اسے پسند نہیں کرتے۔ ان حالات میں ہماری عورتوں کو چاہئے کہ وہ دوسری عورتوں کو نرمی اور پیار اور محبت سے سمجھائیں۔ وہ انہیں علمی اور عملی لحاظ سے بیمار سمجھیں اور ان کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔ جب کسی ماں کا بچہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اس پر قہقہے نہیں لگاتی بلکہ بیمار بچہ کو دیکھ کر اُس کے اندر زیادہ رحم پیدا ہوتا ہے۔ تم تندرست بچہ اور تندرست عورت کی طرف اتنا دھیان نہیں کرتیں جتنا دھیان تم ایک بیمار بچے یا ایک بیمار عورت کی طرف کرتی ہو۔ پس ہمیشہ دوسروں کے غلط خیالات کی ہمدردی سے اصلاح کرنی چاہئے۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ وہ ان کی اصلاح کرے اور اس غلط روش سے جس پر وہ جارہی ہیں انہیں محفوظ رکھے۔ پھر اگر دوسری عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ پردہ اسلام سے ثابت نہیں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ پردہ کی حامی عورتوں کو بجائے جاہل، بے دین اور بدتہذیب کہنے کے ہمدردی اور محبت سے اپنا نقطہ نگاہ سمجھائیں۔ اگر اسلام میں پردہ کا حکم ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں تو دوسروں کو مغربیت زدہ کہنے کی بجائے ہمدردی سے سمجھاؤ۔ آگے ان کی مرضی ہے کہ وہ تمہاری بات پر عمل کریں یا نہ کریں۔ ہم یورپ میں تبلیغ کرتے ہیں تو جو عورتیں احمدیت میں داخل ہوتی ہیں وہ پردہ نہیں کرتیں لیکن ہم انہیں کھلے طور پر بتا دیتے ہیں کہ اسلام عورت کو پردہ کا حکم دیتا ہے ہماری بہن رقیہ مارگرٹ آجکل یہاں آئی ہوئی ہیں۔ ربوہ میں جب وہ آئیں تو جمعہ کے لئے میری بیویوں کے ساتھ باہر نکلیں دوسری سب عورتوں کو پردہ کئے ہوئے دیکھ کر وہ بھی متأثر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ مجھے بھی کوئی کپڑا دے دو کہ میں پردہ کرلوں۔ غرض اسلام بیشک پردہ کا حکم دیتا ہے لیکن دوسری عورتوں کی اصلاح اِسی طرح ہوسکتی ہے کہ نرمی اور پیار کے ساتھ اُنہیں اِس طرف توجہ دلائی جائے اور بُرا بھلا نہ کہا جائے۔

میں نے ایک دفعہ لندن کے مبلغ سے کہا کہ وہ انگریز عورتیں جو اسلام میں داخل ہوں تم اُن

سے کہا کرو کہ بے شک ملکی حالات کی وجہ سے تم اِس وقت پردہ نہیں کرسکتیں لیکن یہ خیال رکھو کہ پردہ اسلامی حکم ہے اور تم بھی پردہ کی ویسی ہی پابند ہو جیسی دوسری عورتیں تا کہ انہیں اِس بات کا احساس ہوجائے اور جب بھی انہیں توفیق ملے وہ اِس پر عمل پیرا ہوجائیں۔ چنانچہ ان کی طرف سے اب تازہ رپورٹ یہ ملی ہے کہ اِس دفعہ عید پر عورتوں نے الگ جگہ پر نماز پڑھی ہے پہلے وہ علیحدہ نماز پڑھنا گوارہ نہیں کرتی تھیں لیکن اِس دفعہ اِس حد تک تیار ہوگئی ہیں انہوں نے الگ نماز پڑھنا برداشت کرلیا ہے۔ اِس طرز پر قرآن کریم کو سیکھو اور جس طرح تم نے قرآن کریم سیکھا ہے اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو پیار اور اخلاص کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو اور پھر ان کو موقع بھی دو کہ وہ اپنے خیالات کا تم پر انحصار کریں۔ تم ایک ملک کی رہنے والی ہو، تم ایک نبی ایک قرآن کی طرف منسوب ہونے والی، آخر دشمنی کیسی؟ اگر کوئی تعلیم یافتہ ہے تو وہ غیر تعلیم یافتہ کو جا کر سمجھائے اور اگر غیر تعلیم یافتہ حق پر ہیں تو وہ تعلیم یافتہ طبقہ کو سمجھائیں۔ اگر تم اِس طرح عمل کرو تو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ اور ملکی اور غیر ملکی کے درمیان جو اِس وقت دُوری ہے وہ دُور ہوجائے گی اور پھر اکٹھے بیٹھنے سے ذہن میں فکری اتحاد بھی پیدا ہوتا ہے اور دلوں میں صفائی پیدا ہوجاتی ہے۔

(الفضل ربوہ ۱۴، ۲۱ رنومبر ۱۹۶۲ء)

---

۱ النساء: ۲

۲ پیدائش باب ۲ آیت ۷ تا ۲۳۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء مفہوماً

۳ الصّٰفّٰت: ۱۰۶

۴ بخاری کتاب الانبیاء باب قول الله تعالیٰ واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا

۵ ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (البقرۃ:۱۳۰)

۶ واوحینا الی ام موسٰی ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم (القصص:۸)

۷ وضرب اللّٰہ مثلا للذین اٰمنوا امرات فرعون اذ قالت ربّ ابن لی عندک بیتًا فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہٖ ونجنی من القوم الظٰلمین (التحریم:۱۲)

۸ العلق: ۲ تا ۴

۹، ۱۰ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (الخ)

۱۱ بخاری کتاب العیدین باب اذا لم یکن لھا جلباب فی العید

۱۲ بخاری کتاب العلم باب ھل یجعل للنساء یوما (الخ)

۱۳ موضوعات کبیر ملا علی قاری صفحہ ۷۳ مطبوعہ دھلی ۱۳۴۶ھ

۱۴ ابوداؤد کتاب الجھاد باب فی النساء یغزون

۱۵ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۵۶۸ تا ۵۷۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء